پاک بھارت مفاہمت
اور
مسئلہ کشمیر کا حل

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ہندو مسلم منافرت

کی تاریخ اور اسباب کا تجزیہ'

اُس کے ازالے کی اہمیت'

اور

پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل حالتِ جنگ

کے سب سے بڑے سبب' یعنی

مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل

☆

بانیٔ تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کی دس سال قبل کی بصیرت افروز تحریریں

(ماخوذ از 'میثاق' جولائی ۱۹۹۴ء)

نام کتاب ——— پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل
باراول (فروری 2004ء) ——— 2200
ناشر ——— ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
مقامِ اشاعت ——— 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 03-5869501
مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت ——— 20روپے

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تعارف

پاکستان اور بھارت نے بالآخر باہمی مفاہمت کی ضرورت محسوس کر لی ہے' اور تازہ اطلاعات کے مطابق پاک بھارت ''مربوط مذاکرات'' ماہ رواں میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والے ہیں۔ غیرملکی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ۵۶ برس دونوں ملکوں کی باہمی مخاصمت وعداوت میں گزر گئے ہیں۔ اچھے پڑوسیوں کے سے خوشگوار تعلقات کی راہ میں بہت سے حقیقی عوامل اور نفسیاتی حجابات حائل رہے ہیں' لیکن بلاشبہ کشمیر کا تنازعہ اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ گزشتہ ماہ اسلام آباد میں ''سارک کانفرنس'' کے موقع پر دونوں ملکوں کے رہنماؤں نے باہمی مفاہمت کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مسئلے پر بھی مربوط مذاکرات کا فیصلہ کیا۔ مذاکرات پہلے بھی کئی بار ہو چکے ہیں' لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہمیشہ یہ سوال حائل رہا کہ مفاہمت ہو تو کیونکر ہو اور کشمیر کا مسئلہ حل ہو تو کیونکر ہو؟ اور اب بھی یہ سوال جوں کا توں موجود ہے۔

اس اہم اور بنیادی سوال کا قابل عمل اور حقیقت پسندانہ حل ''تنظیم اسلامی'' کے بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آج سے دس سال قبل دانشور دانیال لطیفی صاحب کی ایک تحریر کے جواب میں' ایک طویل مضمون کی صورت میں پیش کر دیا تھا جو روزنامہ ''جنگ'' لاہور کی اشاعت ۲۲/اپریل ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون پر ایک تنقیدی تحریر دو قسطوں میں پروفیسر محمد یوسف عرفانی صاحب نے روزنامہ ''جنگ'' کی اشاعت بابت ۱۶ اور ۱۷ مئی ۱۹۹۴ء میں چھپوائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تنقید کا جواب' نئے دلائل کے ساتھ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ دونوں مضامین ماہنامہ ''میثاق'' کے شمارہ جولائی ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان مضامین میں جو موضوعات زیر بحث آئے تھے' وہ استفہام کی بھی حیثیت رکھتے تھے اور استدلال کی بھی' مثلاً یہ کہ ''تقسیمِ ہند برطانوی منصوبے کا نتیجہ ہے یا الٰہی تدبیر؟'' یہ کہ پاک بھارت تعلقات میں جو کشیدگی روزِ اوّل سے موجود ہے' وہ انگریز کی گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے۔ یہ کہ پاک بھارت مفاہمت کیوں ضروری ہے۔ یہ کہ مسئلہ کشمیر کا حل کیا ہو سکتا ہے۔

اب پاکستان اور بھارت کے مابین باہمی مفاہمت و مصالحت اور مسئلہ کشمیر کے حل پر بھی ''مربوط مذاکرات'' ہونے والے ہیں' اور یہ کہ یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں' آئندہ بھی ہوتے رہیں گے' لہٰذا ضروری محسوس ہوا کہ دس سال پہلے دونوں پڑوسی ملکوں میں مفاہمت و مصالحت کو ''میثاق'' کے اوراق سے نکال کر ایک کتابچے کی صورت میں یکجا کر کے شائع کیا جائے۔ نیز ۱۹۹۴ء کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب اپنی پریس کانفرنسوں میں جو بیانات اس سلسلے میں دیتے رہے ہیں' وہ بھی اختصار کے ساتھ بطور ''ضمیمہ'' شامل کر لئے جائیں۔ چنانچہ اس کتابچے میں ڈاکٹر صاحب کی مندرجہ ذیل تحریریں اور بیانات یکجا ہو گئے ہیں۔

(۱) تقسیم ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟
اور پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش
(مطبوعہ ۲۲ اپریل ۱۹۹۴ء روزنامہ ''جنگ'' و ماہنامہ ''میثاق'' لاہور' جولائی ۱۹۹۴ء)

(۲) پاکستان کا قیام: برطانوی سازش یا خدائی تدبیر؟
(پروفیسر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کی تحریر کے جواب میں)

(۳) پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

(۴) پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل

(۵) ضمیمہ بابت مسئلہ کشمیر اور اس کا حل:
(ا) بیان پریس کانفرنس۔ ۲۵ راکتوبر ۱۹۹۵ء
(ب) اقتباس از خطاب جمعہ۔ ۴ فروری ۲۰۰۰ء
(ج) بیان پریس کانفرنس۔ ۱۰ جولائی ۲۰۰۱ء
(د) سید شہاب الدین' ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا کے تائیدی مراسلے کا عکس۔ ۱۷ فروری ۲۰۰۰ء

(۶) اینڈ ورا

۷ فروری ۲۰۰۴ء

سید قاسم محمود
مدیر اعلیٰ شعبۂ مطبوعات' قرآن اکیڈمی

(۱)

تقسیم ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟

اور

پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

روزنامہ جنگ لاہور کی ۲۳ مارچ ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر تین کالمی سرخی کے ساتھ ایک بھارتی مسلمان دانشور دانیال لطیفی صاحب کی بعض آراء پر مشتمل خبر شائع ہوئی تھی جس کی جلی سرخی یہ تھی کہ: ''قائد اور گاندھی متحدہ ہندوستان چاہتے تھے' انگریز نے تقسیم پر مجبور کر دیا!'' اس کے بعد ذیلی سرخی یہ تھی کہ: ''کشیدگی ختم کرنے کے لئے وہ زہر نکالا جائے جو انگریزوں نے دو سو سال پہلے انجیکٹ کیا تھا! قائداعظم کے قریبی ساتھی اور ۱۹۴۰ء کے منشور کے مصنف سے خصوصی انٹرویو''۔ اس کے بعد نیوز رپورٹر کے حوالے سے خبر کا پورا متن حسب ذیل تھا:

> ''مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے منشور کے مصنف اور قائداعظم کے قریبی ساتھی دانیال لطیفی نے کہا ہے برصغیر کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم میں بندر بانٹ کی تاکہ دونوں ملک آپس میں لڑتے مرتے رہیں اور اس وقت کی سپر پاور برطانیہ دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو جائے۔ برطانیہ کے زوال کے باعث اگرچہ ماؤنٹ بیٹن کا خواب پورا نہ ہو سکا لیکن دونوں ممالک کے سیاسی لیڈر اپنے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو گمراہ کرتے رہے۔ حقیقت کچھ اور تھی اور بتایا کچھ اور جاتا رہا۔ وہ مسلم لیگی رہنما عمر قصوری کی صاحبزادی اور سابق وفاقی وزیر خورشید قصوری کی بھتیجی کی رسمِ حنا کے موقع

پر ''جنگ'' کے انجم رشید' رمان احسان اور امین حفیظ پر مشتمل خصوصی پینل
کو انٹرویو دے رہے تھے۔ ۷۷ سالہ بیرسٹر دانیال لطیفی نے کہا کہ ہندوستان کی
تقسیم سے قائداعظم اور گاندھی دونوں خوش نہ تھے' مگر دونوں بے بس تھے اور
یہ تقسیم قبول کرنے پر مجبور تھے۔ دونوں لیڈر متحدہ آزاد ہندوستان چاہتے تھے
لیکن انگریزوں نے حالات ہی ایسے بنا دیئے۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا
قائداعظم اسلامی سیکولر پاکستان چاہتے تھے جس میں مکمل جمہوریت ہو اور تمام
مذاہب کے لوگوں کو مکمل آزادی ہو۔ انہوں نے کہا سیکولر کا آئیڈیا اسلام سے لیا
گیا ہے اور قائد اعظم اس سلسلہ میں اس حدیث پر یقین رکھتے تھے۔
ترجمہ: ''مظلوم کی پکار سے ڈرو' چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔ انہوں نے کہا
انڈیا اور پاکستان میں کشیدگی ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زہر کو نکالا
جائے جو انگریزوں نے دو سو سال کے دوران دونوں قوموں کی رگوں میں
''انجیکٹ'' کیا ہے۔ دونوں ملک متحدہ ہوں یا نہ ہوں' نفرتوں کی دیوار ختم
ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا میں قیامِ پاکستان کے وقت ہجرت کے حق میں
نہ تھا۔ اس موقع پر ہونے والی لاکھوں افراد کی قتل و غارت کا ذمہ دار ماؤنٹ
بیٹن تھا۔ اس نے بدمعاشی کی اور ہجرت کے بارے میں لارڈ ویول کے
پلان کو تبدیل کر دیا''۔

اگرچہ نبی اکرم ﷺ کا قول مبارک تو یہ ہے کہ: ''یہ نہ دیکھا کرو کہ بات کہنے والا کون ہے' بلکہ یہ دیکھا کرو کہ اس نے کہا کیا ہے!'' تاہم اس قسم کی آراء کو' جیسی کہ اس انٹرویو میں سامنے آئی ہیں' اس مسلّمہ قانون کے ذیل میں شمار کیا جانا چاہئے کہ ''بعض حالات میں استثنائی مثالوں سے قاعدہ کلیہ مزید ثابت اور محکم ہو جاتا ہے''۔ لٰہذا ان آراء پر تبصرہ کرنے سے قبل ''صاحبِ رائے'' کی شخصیت کا کسی قدر تعارف حاصل کرنا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ پاکستان کے عوام کی عظیم اکثریت نے یہ نام پہلی بار سنا ہے۔ چنانچہ خود میرا اپنا حال یہ ہے کہ اگرچہ میں ۴۷۔۱۹۴۶ء کے دوران مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا فعال کارکن تھا' یہاں تک کہ ۱۹۴۶ء میں فیڈریشن کا جو اہم اجلاس حبیبیہ ہال' اسلامیہ کالج' ریلوے روڈ' لاہور میں منعقد ہوا تھا' جس سے

قائداعظم نے بھی خطاب فرمایا تھا: ''اس میں ضلع حصار سے شرکت کرنے والے دو مندوبین میں سے ایک میں تھا' اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میں دانیال لطیفی صاحب سے بالکل واقف نہ تھا۔ تاہم چونکہ ان کی باتیں کم از کم ''قابل غور'' ضرور نظر آئیں لہٰذا میں نے ان کے بارے میں مزید معلومات کچھ تو سینئر صحافی عبدالکریم عابد صاحب سے حاصل کیں' اور مزید لطیفی صاحب کے میزبان جناب عمر قصوری صاحب سے۔ چنانچہ ان کی آراء پر تبصرے سے قبل ان کی شخصیت کے بارے میں ان معلومات میں سے بعض کو قارئین کے علم میں لانا مناسب سمجھتا ہوں۔

میرا گمان تھا کہ جب لطیفی صاحب قصوری خاندان کی ایک شادی میں شرکت کے لئے بھارت سے پاکستان تشریف لائے تو یقیناً اس خاندان کے ساتھ ان کا عزیز داری کا تعلق ہوگا' لیکن معلوم ہوا کہ میرا یہ اندازہ غلط ہے۔ اور معاملہ صرف اتنا ہے کہ ان کی نہایت گہری ذاتی دوستی میاں محمود علی قصوری مرحوم کے ساتھ تھی' جو انہیں ان کی پوتی کی شادی کے لئے کھینچ لائی۔ ان کے والد ڈاکٹر عالما لطیفی برٹش انڈیا کے اوّلین ہندوستانی (اور وہ بھی مسلم!) فنانشل کمشنر تھے جو کچھ دیر پنجاب کے ایکٹنگ گورنر بھی رہے تھے۔ خود دانیال صاحب پکے اور سچے مارکسسٹ تھے۔ اور نہایت اعلیٰ تعلیم کے حصول حتیٰ کہ انگلستان سے بیرسٹری کی تکمیل کے بعد انہوں نے کل تیس روپے ماہانہ مشاہرے پر کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا میں ایک ''ہمہ وقت کارکن'' کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر جب عالمی کمیونزم کی سطح پر فیصلہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان کمیونسٹ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں شامل ہو جائیں تو پارٹی ڈسپلن کی پابندی کرتے ہوئے وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے' اس وضاحت کے ساتھ کہ جب آپ ہمیں بھیج ہی رہے ہیں تو اب ہم وہاں پوری تندہی اور مسلم لیگ کے نظم کی پابندی کے ساتھ کام کریں گے۔ چنانچہ اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت اور ایثار و محنت کی بنا پر دانیال صاحب قائداعظم کے قریبی رفقائے کار کے حلقے میں شمار کئے جانے لگے جس کا نمایاں مظہر یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں عام انتخابات سے قبل مسلم لیگ کا جو منشور تیار ہوا اس کے ضمن میں' جیسا کہ

اخباری خبر میں بھی وضاحت ہے (اگرچہ وہاں ۱۹۴۶ء کی بجائے غلطی سے ۱۹۴۰ء چھپ گیا ہے!) انہوں نے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وغیرہ کے ساتھ مل کر اہم خدمت سرانجام دی۔ تقسیمِ ہند سے قبل بمبئ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو انہیں وہاں فسادات کی روک تھام اور بالخصوص ریلوے کے مسلمان ملازمین کی حفاظت اور امداد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب انہوں نے واپس لاہور آنے کا ارادہ کیا تو بمبئ کے مسلمانوں نے ان سے وہیں قیام کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ بنا بریں وہ مستقل طور پر بھارتی شہری بن گئے' بعد ازاں وہ دہلی منتقل ہو گئے اور اب وہ نئی دہلی میں سپریم کورٹ آف انڈیا میں وکالت کرتے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ برعظیم پاک و ہند کے بگڑتے ہوئے حالات پر سخت مضطرب رہتے ہیں بلکہ آر ایس ایس' بی جے پی اور وی ایچ ایس قسم کی ہندو فنڈ امنٹلسٹ تحریکوں سے بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو جو شدید خطرات لاحق ہیں ان کے بارے میں بہت پریشان اور متفکر ہیں۔ کمیونزم کے ضمن میں ان کا رجحان اس کے چینی برانڈ کی جانب رہا۔ اور بھارتی بنگال کے موجودہ کمیونسٹ وزیر اعلیٰ ''جیوتی باسو'' ان ہی کے رفیق اور تربیت دادہ ہیں۔ تاہم اب جبکہ عالمی سطح پر کمیونزم اور سوشلزم کی عمومی موت واقع ہو چکی ہے' ان کے نظریات میں بھی اعتدال پیدا ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم!

''صاحب رائے'' کے بارے میں اس وضاحت کے بعد اب آیئے ان کی آراء کے حسن و قبح اور صواب و خطا کی جانب۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ دنیا میں صد فی صد حق اور درست بات یا تو صرف اللہ کے اپنے کلام یعنی قرآن کی ہو سکتی ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کی' بشرطیکہ اس کی نسبت آنجنابؐ کی جانب درست ہو۔ باقی ہر بات میں نہ صرف یہ کہ خطا و صواب اور صحیح یا غلط کا امکان بہر حال موجود ہوتا ہے' بلکہ اکثر و بیشتر معاملات میں بیک وقت دونوں ہی پہلو موجود ہوتے ہیں' صرف اس فرق کے ساتھ کہ کہیں تو خطا اور صواب تقریباً برابر موجود ہوتے ہیں' کہیں صواب اور درستی کا عنصر غالب ہوتا ہے اور خطا یا غلطی کا پہلو نظر انداز کئے جانے کے قابل ہونے کی حد تک

کم' اور کہیں باطل کا عنصر غالب ہوتا ہے اور حق کا حصہ صرف اس قدر کہ باطل اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو سکے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جناب دانیال لطیفی کی جو آراء محولہ بالا خبر میں رپورٹ ہوئی ہیں' ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور ان کا گہرا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان میں بحیثیتِ مجموعی تو حق و باطل تقریباً برابر برابر شامل ہیں' تاہم ایک تو ان کی گفتگو کا اصل حاصل اور مقصود بالکل درست ہے' یعنی یہ کہ بھارت اور پاکستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو زائل کرنے کی کوشش کی جائے جو انگریز نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت پیدا کیا تھا۔ اور دوسرے تقسیمِ ہند کے اسباب کے ضمن میں بھی اس کے باوجود کہ ان کی بعض آراء پاکستان کے عوام ہی نہیں اچھے بھلے پڑھے لکھے بلکہ دانشور شمار ہونے والے لوگوں کو بھی یقیناً نامانوس اور عجیب لگی ہوں گی' لیکن ہیں بہت حد تک صحیح! صرف اس صراحت کے ساتھ کہ ان میں ایک تو کچھ ''واقعاتی خلا'' بھی موجود ہے' اور دوسرے ایک ''ماورائی حقیقت'' سے کلی طور پر صرفِ نظر کر لیا گیا ہے اور یہ دوسری بات ایک ایسے شخص کے لئے بالکل قرین قیاس ہے جس کے ذہن پر مارکس کی جدلی مادیت کا غلبہ رہا ہو۔

چنانچہ جہاں تک گاندھی جی سمیت تمام ہندو لیڈروں یہاں تک کہ جملہ ہندو عوام کا تعلق ہے' یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم انہوں نے بادلِ نخواستہ بلکہ مجبوراً ہی تسلیم کی تھی۔ بلکہ ان کے اذہان اور قلوب نے اسے تاحال بھی قبول نہیں کیا ہے۔ خاص طور پر گاندھی جی کا یہ قول تو تقسیم ہند سے چند ہی ہفتے قبل کا ہے کہ ''پاکستان میری لاش پر بن سکتا ہے!'' —— لہٰذا اس ضمن میں نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے' نہ بحث کی ضرورت۔

خود قائداعظم کے بارے میں دو باتیں تو قطعی مسلّم ہیں' یعنی ایک یہ کہ وہ طویل عرصے تک کانگریس میں شامل رہے تھے اور ایک زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر اور پیغامبر قرار دیئے جاتے تھے اور دوسرے یہ کہ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر لیا تھا جس کی رو سے ایک علیحدہ اور آزاد پاکستان

کے قیام کا معاملہ کم از کم دس سال کے لئے مؤخر ہو گیا تھا۔

ان دو نا قابلِ تردید حقائق کے مابین ۱۹۴۱ء میں قراردادِ پاکستان کی منظوری اور پھر اس کے مطابق تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کی عظیم جدّ وجہد میں جو ذاتی اور فیصلہ کن حصہ قائداعظم کا رہا' اس کے ضمن میں یہ بات تو کم از کم مسلمانانِ پاکستان میں مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ تقریباً متفق علیہ ہے کہ اس کا اصل سبب قائداعظم کی ہندو ذہنیت سے مایوسی اور بیزاری تھی کہ ان سے کسی انصاف کی توقع نہیں رکھی جا سکتی اور یہ رائے انہوں نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر قائم کی تھی اور اس کی بنا پر وہ ہر صورت میں تقسیمِ ہند ہی پر مُصر اور جازم تھے' لیکن ایک دوسری رائے بھی پیش کی جاتی رہی ہے کہ قیامِ پاکستان اور تقسیمِ ہند کا مطالبہ اصل میں ہندو قیادت کے ساتھ سیاسی سودے بازی کا مظہر تھا۔ اور قائداعظم ذہناً اور قلباً کسی بھی ایسی صورت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے جس میں ہندوستان کی وحدت بھی برقرار رہتی اور مسلمانانِ ہند کے حقوق کا مناسب تحفظ بھی ہو جاتا۔

اس مؤخر الذکر رائے کی تائید میں ایک بات' جو گزشتہ سال اتفاقاً میرے علم میں آئی' یہ ہے کہ جنوری ۱۹۹۳ء میں جب میں امریکہ جا رہا تھا تو ہوائی جہاز میں میری ملاقات پروفیسر اقبال احمد صاحب سے ہوئی جو امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے استاد ہیں اور امریکہ کی دوسری یونیورسٹیوں ہی نہیں دور دراز کے ممالک میں بھی سیاسی و علمی موضوعات پر خطبات کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ (ان کا تعلق اچھرہ' لاہور کے ذیلدار خاندان سے ہے!) انہوں نے بتایا کہ ان کے علم میں ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ ۱۹۴۶ء ہی میں قائداعظم نے ریاست کلو (جو اب بھارت کے ہماچل پردیش میں شامل ہے) میں خاصا وسیع رقبہ خرید فرمایا تھا تاکہ اسے ایک سیاحت کے مقام کی حیثیت سے بھی ترقی دیں' اور وہیں اپنے لئے ایک رہائش گاہ بھی تعمیر فرمائیں۔ گویا اُس وقت تک قائداعظم تقسیمِ ہند کو کوئی حتمی اور شدنی بات نہیں سمجھتے تھے۔

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے ضمن میں بیرسٹر دانیال لطیفی صاحب کا نظریہ دو حصوں پر مشتمل ہے، یعنی: ایک یہ کہ نہ گاندھی جی اسے پسند کرتے تھے اور نہ قائداعظمؒ اور چونکہ یہی دو شخصیتیں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں فیصلہ کن حیثیت کی حامل اور قیادت وسیادت کے بلندترین منصب پر فائز تھیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی ناپسندیدگی کے علی الرغم جبراً مسلط کی گئی۔ لطیفی صاحب کے نظریئے کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ جبر انگریزوں کی جانب سے ہوا، اور ہندوستان کی یہ جبری تقسیم ہمارے سابق حکمرانوں نے اپنے مذموم مقصد یعنی ہندوستان پر دوبارہ قابض ہونے کے لئے کی تھی!

ان میں سے پہلی بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرتے ہوئے دوسرے حصے پر غور کیا جائے تو اس میں تو ہرگز کوئی شک نہیں کہ برعظیم کی تقسیم، اور اس کے نتیجے میں پاکستان کے قیام میں ایک جزوی اور بالواسطہ عامل کی حیثیت سے انگریزوں کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو!'' (Divide and Rule) کی حکمتِ عملی کا کسی نہ کسی حد تک عمل دخل موجود تھا، لیکن اسے ایک کلی حقیقت یا واحد سبب قرار دینے کے لئے ایک جانب تو جس قدر مثبت شواہد کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں ہیں۔ اور دوسری جانب، جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا تھا، ایک اہم ''واقعاتی خلا'' بھی اس کی راہ میں حائل ہے۔

یہ بات تو یقیناً اظہر من الشّمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا اصل سبب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بڑھتی ہوئی بے اعتمادی اور نفرت تھی۔ البتہ اس باہمی منافرت اور بداعتمادی کے بارے میں جہاں یہ کہنا غلط ہے کہ یہ کُل کی کل انگریز کی پیدا کردہ تھی، وہاں یہ کہنا بھی حقائق سے گریز کے مترادف ہے کہ اس کی شدت اور گہرائی وگیرائی میں کوئی اضافہ انگریزوں کی مذکورہ بالا حکمت عملی سے نہیں ہوا۔

جہاں تک اس ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی حکمت عملی کا تعلق ہے وہ اوّلاً تو بجائے خود حاکم وقابض اقوام کے ان مسلّمہ ہتھکنڈوں میں سے ہے جو علامہ اقبال نے سورۃ النمل کی آیت ۳۴ کے حوالے سے بیان کئے ہیں، یعنی۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ "اِنَّ الْمُلُوکَ"
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

ثانیاً اس کے ضمن میں حقائق و شواہد کا کافی مواد بھی خان عبدالولی خان صاحب انڈیا آفس کے ریکارڈ کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے وقتاً فوقتاً فراہم کرتے رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک کے بعض دانشوروں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت کے "چلتے ہوئے جھکڑ" اور بداعتمادی کی "اٹھتی ہوئی آندھی" کے ایک سبب کو اس درجہ اچھالا ہے' اور اس شدت کے ساتھ تحریر و تقریر کا موضوع بنایا ہے کہ دوسرے جملہ عوامل نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ عوام کے اَذہان میں اس پوری صورت حال کے واحد سبب کی حیثیت صرف ہندوؤں کی عمومی چھوت چھات' برہمنوں کے سامراجی مزاج اور بنیوں کی چاپلوسانہ عیاری کی ذہنیت کو حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ ایک جانب یہ پہاڑ جیسی عظیم حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو گئی کہ ہندو معاشرہ صرف برہمنوں اور بنیوں ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں راجپوت اور شودر بھی موجود ہیں' جو اپنا اپنا جداگانہ مزاج رکھتے ہیں' مزید برآں خود برہمنوں اور بنیوں میں بھی ۔ "نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد ___ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!" کے مصداق ہر مزاج اور کردار کے لوگ موجود ہیں اور دوسری جانب ان دو اہم عوامل سے تو کامل ذہول ہو گیا جن میں سے ایک کا تعلق ماضی بعید اور خود مسلمانوں کے اپنے کردار سے ہے' اور دوسرے کا ماضی قریب اور انگریزوں کے کردار سے!

ان میں سے مقدم الذکر سے صرفِ نظر اور غضِ بصر کا معاملہ تو

''وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا!''

کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ اس تلخ حقیقت کا اعتراف بہت مشکل ہے کہ خود ہم مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی ''ہزار سالہ'' حکومت کے دوران اکثر و بیشتر وہی ''اقوامِ غالب'' والا کردار اختیار کیا تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ اپنے ان فرائض کو تو سرے سے ادا ہی نہیں کیا تھا جو اُمت مسلمہ اور اُمت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتے تھے' یعنی اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ اور اسلام کے عادلانہ نظامِ زندگی اور دینِ حق کے نظامِ عدل وقسط کے قیام کے ذریعے خلقِ خدا پر اللہ کی رحمانیت و رحیمیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا عملی مظاہرہ' اور اس طرح اللہ اور رسول ﷺ کی جانب سے ہندوستان میں بسنے والوں پر اتمامِ حجت! بلکہ بہت سے حکمرانوں نے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ قائم رکھنے کے علاوہ ذاتی عیاشی اور بوالہوسی کے وہ جملہ انداز اختیار کئے جو ہمیشہ سے ملوکیت اور بادشاہی کے لوازم میں سے رہے ہیں اور ان سب کی بنا پر ہندوؤں میں عمومی طور پر وہ انتقامی جذبہ موجود تھا جو سقوطِ ڈھاکہ کے حادثۂ فاجعہ کے موقع پر ع ''نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں!'' کے مطابق فتح مندی کی سرمستی میں پنڈت موتی لال نہرو جیسے وسیع المشرب انسان کی پوتی اور جواہر لال نہرو جیسے سیکولر اور سوشلسٹ مزاج کے حامل شخص کی بیٹی مسز اندرا گاندھی کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ:

''ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے!''

بہرحال وہ آگ جو اِن دو عوامل یعنی برہمن اور بنیا ذہنیت اور مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کے ردعمل نے بھڑکائی تھی اس پر تیل کا کام یقیناً اس تیسرے عامل یعنی انگریزوں کی حکمت عملی نے سرانجام دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو ٹھیک وہی کام کیا جو سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں بیان ہوا ہے' یعنی مفتوح قوم کے اعلیٰ طبقات کو ادنیٰ (اور ادنیٰ کو اعلیٰ) بنا دیا جائے' چنانچہ ہمارے سابق حکمرانوں نے سوائے پنجاب اور سرحد

کے باقی پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو دبایا اور ہندوؤں کو ابھارا۔ اور پھر ان دونوں کے مابین چپقلش کو مسلسل ہوا دی اور نفرت اور بے اعتمادی کے جراثیم کو پروان چڑھایا جسے دانیال لطیفی صاحب نفرت کو ''انجیکٹ'' کرنے سے تعبیر کر رہے ہیں!

بہر حال' اس عامل کی حد تک تو تقسیمِ ہند کے ضمن میں انگریزوں کا حصہ لازماً تسلیم کیا جانا چاہئے' لیکن اسے واحد یا سب سے فیصلہ کن عامل قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے' جیسا کہ دانیال صاحب کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی راہ میں جو سب سے بڑا ''واقعاتی خلا'' حائل ہے وہ یہ کہ انگلستان میں دو جماعتی پارلیمانی جمہوریت قائم تھی جس میں عام طور پر مخالف سیاسی جماعتوں کے بنیادی مزاج اور عمومی طرزِ عمل میں اختلاف موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ کنزرویٹو پارٹی اور لیبر پارٹی کے مزاج اور پالیسیوں میں بھی بہت فرق اور تفاوت تھا۔ اور ''لڑاؤ اور حکومت کرو!'' کی حکمت عملی مقدم الذکر کی حد تک تو ایک حقیقتِ موضوعہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن مؤخر الذکر کے ضمن میں کم از کم اس حد تک نہیں۔ اور یہ بات کہ جب ہندوستان آزاد ہوا اس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار تھی جہاں اس اعتبار سے اہم ہے کہ بصورت دیگر شاید ابھی آزادی کے حصول میں تاخیر ہو جاتی' وہاں مسئلہ زیر بحث کے اعتبار سے تو نہایت فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ پہلے بھی یہ راز کچھ ایسا زیادہ خفیہ نہ تھا اور اب تو وہ طشت از بام بھی ہو چکا ہے کہ انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ ایٹلی' اور ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں کو قائد اعظم اور مسلم لیگ سے شدید نفرت تھی۔ چنانچہ یہی وہ معروضی صورت حال تھی جس کے پیشِ نظر قائد اعظم کو کیبنٹ مشن پلان قبول کرنا پڑا تھا' جس کے نتیجے میں کم از کم فوری طور پر ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا مسئلہ ختم ہو گیا تھا۔ اب اس کے بعد بھی ملک تقسیم ہوا اور ایک آزاد اور خود مختار پاکستان وجود میں آیا تو یہ ''جبر'' تو لازماً تھا لیکن انگریز کا نہیں' بلکہ اس سے بھی کہیں بالاتر اور مقتدر ہستی یعنی اللہ کا! چنانچہ یہی وہ ''ماورائی'' حقیقت ہے جس کی جانب مارکس کی جدلی مادیت کے پھندے میں گرفتار شخص کا ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ''جبر'' اور قانونِ الٰہی کی یہ کارفرمائی اس سنت اللہ کے مطابق ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے لئے آزادی کی طالب ہوتی ہے تو اللہ اس کی خواہش پوری فرما کر اسے ایک لازمی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے کہ آزادی وخود اختیاری کے حصول کے بعد وہ اپنا وعدہ پورا کرتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ قرآن کے اس عمومی اسلوب کے مطابق کہ اہم مضامین اس میں کم از کم دو بار ضرور بیان ہوتے ہیں' یہ قانونِ الٰہی بھی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۹ [1] میں تو خاص طور پر بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ضمن میں وارد ہوا ہے۔ اور سورۂ یونس کی آیت ۱۴ [2] میں عمومی انداز میں مذکور ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام' جس کے لئے تقسیم ہند ناگزیر تھی' سیاست وعمرانیات کے جملہ اصولوں کی رو سے ایک ''معجزہ'' کی حیثیت رکھتا ہے جس کی واحد توجیہہ صرف مذکورہ بالا سنتِ الٰہی ہی سے ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ جب راس کماری سے درۂ خیبر' اور چاٹگام سے کوئٹہ تک پورا برعظیم ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ!'' کے نعروں سے گونج اٹھا اور جمعوں اور عیدوں کی نمازوں میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کی گئیں کہ ''اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما' تاکہ ہم تیرے نبیؐ کے دین پر عمل پیرا ہو سکیں!'' چنانچہ حکمت خداوندی نے عین لیلۃ القدر کو تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کا فیصلہ صادر فرما دیا ''تاکہ ہم دیکھیں کہ اب تم کیا عمل کرتے ہو''۔ (یونس: ۱۴)

اب ظاہر ہے کہ تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کا یہ ''ماورائی عامل'' کسی ایسی شخصیت ہی کو نظر آ سکتا تھا جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ؏ ''گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود!'' چنانچہ یہ علامہ اقبال تھے جنہوں نے ۱۹۳۰ء ہی میں' جب کہ ابھی قائداعظم تو صرف چودہ نکات تک ہی پہنچے تھے' اس ''تقدیرِ مبرم'' کا ''مشاہدہ'' کر لیا تھا کہ ''ہندوستان کے شمال

---

(۱) ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝﴾

(۲) ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝﴾

مغربی حصے میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہوگی!'' یہ دوسری بات ہے کہ اس مردِ درویش نے اس کا جو اصل مقصد معین کیا تھا اس کی جانب تا حال کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی۔ تاہم اس سے بھی کوئی حرف حضرت علامہ پر نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ بات انہوں نے ایک امکان اور ''موقع'' کی حیثیت سے کہی تھی، پیشین گوئی کے انداز میں نہیں کہ: ''اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اس کے اصل روئے روشن کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!'' ——ان سطور کے عاجز و ناچیز راقم کو بعض احادیثِ نبویہؐ کی بنیاد پر یہ یقین حاصل ہے کہ ان شاء اللہ علامہ اقبال کی یہ توقع بھی پوری ہوگی اور خلافتِ اسلامی کا احیاء اسی ارضِ پاکستان اور اس سے ملحق افغانستان سے ہوگا۔ اگرچہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۹ میں وارد شدہ الفاظ: ﴿وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ ''اور اسی طرح سورۃ الجن کی آیت ۲۵ میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ: ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا﴾'' یعنی ''(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ چکی ہے یا ابھی میرا ربّ اس میں کچھ دیر فرمائے گا!'' کے مطابق نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرحلہ ابھی کتنی دور ہے، نہ یہ کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اب تک کی وعدہ خلافی کی مزید سزا دے گا یا نہیں، اور دے گا تو کیا!

بہر حال جہاں تک دانیال لطیفی صاحب کی اس رائے کا تعلق ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین نفرت کا خاتمہ کیا جائے تو اس کے ضمن میں عرض ہے کہ اگر فوری طور پر اس کا کلی خاتمہ ممکن نہ ہو تو بھی آزادی کے چھیالیس سال [1] بعد ہمیں اس امر پر تو سنجیدگی کے ساتھ لازماً غور کرنا چاہئے کہ اس کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو ختم کرنے کی بہر صورت کوشش کریں جو ہمارے سابق غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی وقتی حکمت عملی کے تحت پیدا کیا تھا۔ کاش کہ دونوں ملکوں کے دانشور اس جانب توجہ کر سکیں۔

---

(۱) واضح رہے کہ یہ تحریر ۱۹۹۴ء کی ہے۔

(۲)

پاکستان کا قیام:
برطانوی سازش یا خدائی تدبیر؟

پروفیسر سید عرفانی کے جواب میں

روزنامہ ''جنگ'' لاہور کی اشاعت ۱۶ اور ۷ / امئی ۱۹۹۴ء میں میرے اس کالم پر ایک تنقیدی تحریر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کے قلم سے شائع ہوئی ہے جو ۲۲/ اپریل کو ''قیامِ پاکستان: برطانوی سازش یا الٰہی تدبیر؟'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ میں شخصی اعتبار سے پروفیسر صاحب سے بالکل واقف نہیں ہوں، علم وفضل میں تو وہ یقیناً مجھ سے زیادہ ہیں، ہوسکتا ہے کہ عمر میں بھی زیادہ ہوں۔ بنابریں ان کے ''استفسار'' کے جواب میں اگر کوئی لفظ نادانستہ طور پر میرے قلم سے ایسا نکل جائے جس میں سوءِ ادب کا احتمال ہو تو پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

مجھے سخت حیرت اور تعجب ہے کہ دو اقساط پر پھیلی ہوئی اس تحریر میں میری گزارشات کے اس حصے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے جو نہ صرف یہ کہ میرے اصل مدّعا اور مقصود کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس کالم کے عنوان میں بھی جلی طور پر شامل ہے، یعنی: ''الٰہی تدبیر!'' مزید برآں پروفیسر صاحب نے جناب دانیال لطیفی کے پورے موقف کو میری جانب منسوب کر دیا ہے، یعنی یہ کہ تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان اصلاً برطانوی سازش کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ میں نے اس کے صرف ایک جزو کے مبنی برصداقت ہونے کے احتمال کو تسلیم کر کے کلی اور مجموعی طور پر اس کی پرزور تردید اور نفی کی ہے، اور اس تردید اور نفی کے ضمن میں بعینہٖ وہی دلیل دی ہے جو خود پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں بیان

فرمائی ہے۔ اس پر اگرچہ صحیح طرزِ عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ ؎ ''ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے'' اور ''خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے!'' کہہ کر خاموشی اختیار کر لی جائے' لیکن چونکہ ہوسکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے بہت سے قارئین کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہوں لہٰذا میں اپنا موقف دوبارہ اختصار کے ساتھ لیکن ریاضی کے سے انداز میں سلسلہ وار درج کر رہا ہوں:

۱) میرے نزدیک پاکستان کا قیام کسی برطانوی سازش کا نتیجہ ہرگز نہیں تھا بلکہ اللہ کی حکمت ومشیت کا مظہر' اور احیاءِ اسلام اور غلبۂ دینِ حق یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے عالمی سطح پر قیام کے ضمن میں اللہ کے طویل المیعاد منصوبے کی اہم کڑی ہے۔

۲) تقسیمِ ہند کے سلسلے میں ''برطانوی سازش'' کے عمل دخل کا احتمال جزوی اور بالواسطہ طور پر اس اعتبار سے تو یقیناً ہے کہ عالمِ اسباب میں اس کا اصل سبب یہی بنا کہ مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کی جانب سے ناانصافی اور استحصال ہی نہیں' اپنے جداگانہ ملی و قومی تشخص کے بالکلیہ خاتمے کا شدید ''خوف'' لاحق ہو گیا تھا اور اس صورت حال کے پیدا ہونے میں جہاں بنیادی طور پر ہندوؤں (بالخصوص برہمنوں اور بنیوں) کے عمومی مزاج اور مسلمانوں کی طویل غلامی سے پیدا شدہ ردعمل کو بھی دخل حاصل تھا' وہاں یقیناً انگریزوں کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو!'' کی حکمتِ عملی نے بھی اس جلتی آگ پر تیل کا کام کر کے اس کی شدت اور اشتعال کو بڑھانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ اور اگر تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کے وقت برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی حکومت ہوتی جس کی پالیسی میں اس ''لڑاؤ اور حکومت کرو!'' کی حکمتِ عملی کو اصولِ موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور جس کے دستاویزی شواہد خان عبدالولی خان وقتاً فوقتاً پیش فرماتے رہے ہیں' تو شاید اس مفروضے کی تردید مشکل ہو جاتی کہ قیامِ پاکستان برطانوی سازش ہی کا نتیجہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق سے اپنی ''تدبیر'' کے ضمن میں اس مغالطے کا کلی سدباب اس طور سے کر دیا کہ تقسیم ہند کا فیصلہ برطانیہ میں

لیبر پارٹی کی حکومت کے ہاتھوں کروایا جس کے لیڈروں کی مسلمانانِ ہند سے بالعموم اور مسلم لیگ اور اس کے قائد محمد علی جناح سے بالخصوص عداوت اور دشمنی اظہر من الشّمس تھی! (چنانچہ یہی دلیل میں نے اپنے کالم میں بھی دی تھی' اور اسی پر پروفیسر عرفانی صاحب کے استدلال کی تان بھی ٹوٹی ہے!)

۳) اوپر احیاءِ اسلام' غلبۂ دینِ حق اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام کے جس طویل المیعاد خدائی منصوبے کا ذکر ہے' راقم کے نزدیک اس کا آغاز ''الف ثانی'' یعنی اُمت مسلمہ کی تاریخ کے دوسرے ہزار سال کے آغاز کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ (اگرچہ یہ صرف اللہ ہی کے علم میں ہے کہ اس کی آخری اور حتمی ''تکمیل'' میں ابھی مزید کتنی مدت باقی ہے!) چنانچہ عالمِ واقعہ میں اس منصوبے کی تعمیل کے ضمن میں جن اعاظم رجال کی محنتوں اور کاوشوں نے اہم ترین اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ان میں سرفہرست تو گیارہویں صدی ہجری کے مجدد اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ ؎

''وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!''

البتہ بعد کی دو صدیوں کے دوران اس خاکے میں ہمارے بہت سے بزرگوں نے اپنے خون اور پسینے سے رنگ بھرا اور اس منصوبے کو درجہ بدرجہ آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ادا کیا' لیکن چودہویں صدی ہجری میں اس منصوبے کی اہم کڑی یعنی قیامِ پاکستان جن دو عظیم اشخاص کی مساعی کا مرہونِ منت ہے وہ ہیں علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح۔ جن کے مابین مثالی اتحاد و اتفاق اور عمومی ہم آہنگی اور باہمی تعاون کے باوصف سوچ اور ''اپروچ'' کا ایک لطیف فرق بھی موجود ہے۔

۴) چنانچہ علامہ اقبال اصلاً ایک مفکر اور فلسفی اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک ''وژنری'' تھے اور ان کی اصل دلچسپی فکر اسلامی کی تجدید اور اس کے نتیجے میں نظامِ اسلام اور ملتِ اسلامی کے احیاء سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں

انہوں نے تقسیمِ ہند یا مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کی کوئی ''تجویز'' پیش نہیں کی تھی بلکہ صرف یہ ''پیشین گوئی'' فرمائی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام ''تقدیرِ مبرم'' ہے اور اپنی اس دلی آرزو کا اظہار کیا تھا کہ ''اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو بدنما پردے عرب ملوکیت (ان کے اپنے الفاظ میں ''عرب امپیریلزم'') کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل رخِ روشن دنیا کے سامنے پیش کر سکیں'' یعنی اسلام کے اصل نظامِ عدلِ اجتماعی یا بالفاظِ دیگر نظام خلافت علیٰ منہاج النبوت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں۔ جبکہ قائد اعظم کو اصل فکر مسلمانانِ ہند کے قومی تشخص کے بقاء اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کی تھی جس کے لئے وہ کسی بھی قابلِ عمل منصوبے اور دستوری و آئینی تجویز پر غور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ چنانچہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ان کے ضمن میں وہ ہندو قوم کے عمومی مزاج اور انڈین نیشنل کانگرس کی قیادت کے طرزِ عمل سے رفتہ رفتہ اور تدریجاً ہی مایوس ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن پلان کو' جو اصلاً مولانا ابوالکلام آزاد کے ذہن کی پیداوار تھا' قائد اعظم نے قبول کیا تو جہاں یہ اس اعتبار سے ان کے سیاسی فہم و تدبر کا شاہکار تھا کہ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد کے تبدیل شدہ عالمی حالات کے پیش نظر برطانوی حکومت ہندوستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس موقع پر اگر ہم نے کسی نامناسب ضد یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو عین ممکن ہے کہ انگریز ہندوستان کی حکومت یک طرفہ طور پر کانگریس کے حوالے کر کے چلتے بنیں اور پھر یہ عقدۂ لاینحل بن جائے (اس پر مفصل بحث میں نے اپنی تالیف ''استحکامِ پاکستان'' میں کی ہے!) وہاں اس احتمال کی بھی کلی نفی نہیں کی جا سکتی کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تقسیمِ ہند ہی ہندو مسلم مسئلے کا واحد ممکن حل نہیں تھا' بلکہ وہ ایسی کسی بھی تجویز پر غور کرنے کے لئے کھلے دل اور ذہن کے ساتھ تیار تھے جس کے ذریعے مسلمانانِ ہند کے قومی تشخص کے بقاء اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کی ضمانت حاصل ہو سکے! چنانچہ

اس اعتبار سے جناب دانیال لطیفی کا خیال اور پروفیسر اقبال احمد کی بتائی ہوئی بات قابلِ غور تو ہے ہی جزوی طور پر درست بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم! بہر حال میری جانب سے ان کا حوالہ صرف اس حد تک تھا۔ جناب دانیال لطیفی کے تمام خیالات کو میرے سر مڑھ دینا بہت بڑی زیادتی ہی نہیں علمی خیانت ہے!

۵) تاہم میرے نزدیک اب ہمارے لئے اصل قابل غور چیز یہ تاریخی مباحث نہیں بلکہ یہ نہایت تلخ حقیقتِ واقعی ہے کہ قیامِ پاکستان کی صورت میں علامہ اقبال کی پیشین گوئی کے پورے ہو جانے پر لگ بھگ پونے سینتالیس سال (اور قمری حساب سے سوا اڑتالیس سال) گزر جانے کے بعد بھی اپنی کوتاہیوں اور بے عملی ہی نہیں بد عملی کے باعث ہم نہ ان کی اس آرزو کی طرف کوئی پیش قدمی کر سکے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظامِ عدل اجتماعی کو بالفعل قائم کر کے (اور قائد اعظم کے الفاظ میں: ''اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کر کے'') نوعِ انسانی پر اللہ کے دینِ حق اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی عالمی نبوت و رسالت کی جانب سے ''اتمامِ حجت'' کر سکیں اور نہ ہی قائد اعظم کے اس خواب کی تعبیر دنیا کے سامنے لانے میں کامیاب ہو سکے ہیں کہ تقسیمِ ہند کی صورت میں پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات اسی نوعیت کے ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں' بلکہ اس کے برعکس ہم نے اپنے طرزِ عمل سے تا حال تو یہی ثابت کیا ہے کہ تقسیمِ ہند کے ضمن میں جو اندیشے نیشنلسٹ مسلمانوں کو بالعموم اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو بالخصوص لاحق تھے وہ درست ثابت ہوئے۔ اب اگر حکیم سعید صاحب [1] نے پاکستان کے موجودہ عمومی حالات کا آئینہ نہایت دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ قوم کے سامنے رکھ دیا ہے تو اس پر آئینہ کو توڑ دینے اور آئینہ دکھانے والے پر ٹوٹ پڑنے کی بجائے بہتر روش یہ ہے کہ حالات کو سنوارنے اور اس ملک کے قیام سے جو اصل مقاصد اس کے مصور و مفکر و مجوز (علامہ اقبال) اور بانی و معمار و مؤسس (قائد اعظم) کے پیش نظر

---

(۱) حکیم محمد سعید شہید' مرحوم و مغفور' بانی ہمدرد دواخانہ پاکستان

تھے ان کے حصول کی جانب پیش قدمی کی جائے!

٦) اسی طرح اگر حکیم صاحب موصوف کی تحریر کو' جو اوّلاً ''نظریۂ پاکستان'' کے سب سے بڑے دعوے دار روزنامے میں شائع ہوئی تھی' میں نے بھی تحریکِ خلافت پاکستان کے نقیب جریدے ''ندائے خلافت'' میں اس لئے شائع کر دیا کہ چونکہ حکیم صاحب ایک غیر سیاسی اور غیر متنازعہ شخصیت ہیں' لہٰذا شاید کہ ملک وقوم کے ناگفتہ بہ حالات پر ان کا دردمندانہ ''مرثیہ'' کچھ لوگوں کو اصلاحِ حال کے لئے کمربستہ کرنے میں مؤثر ثابت ہو سکے' تو اس کی بنا پر مجھے ابوالکلام آزاد مرحوم یا مولانا مدنیؒ کا معتقد اور مرید' بلکہ ایجنٹ قرار دے دینا بھی کسی طرح مبنی بر عدل وانصاف نہیں ہے! جبکہ میں نے ہزار بار اعلان کیا ہے کہ مجھے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک والے ابوالکلام آزاد سے تو بے حد دلچسپی ہے جس نے پہلے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' ایسے جرائد اور پھر ''حزب اللہ'' کے قیام کے ذریعے اسلامیانِ ہند کے اس ملی و دینی جذبے کو جو اصلاً علامہ اقبال کی ملی شاعری سے پیدا ہوا تھا' ایک دعوت' تحریک اور تنظیم کی اوّلین صورت عطا کی اور اس اعتبار سے میں انہیں برملا اپنا ''دادا پیر'' تسلیم کرتا ہوں' لیکن ۱۹۲۰ء کے بعد والے ''نیشنلسٹ ابوالکلام'' سے مجھے کوئی دلچسپی تو کیا سرے سے بحث ہی نہیں ہے۔ اسی طرح مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں بھی میں نے بار بار وضاحت کی ہے کہ میں اُن کے دینی علم وفضل اور تقویٰ وتدین پر مستزاد انگریز کے خلاف ان کے سرفروشانہ جہادِ حریت کا تو یقیناً قائل بھی ہوں اور اس کی بنا پر ان سے ایک گونہ محبت اور عقیدت بھیؔ رکھتا ہوں' لیکن ان کی سیاسی حکمت عملی سے نہ صرف یہ کہ شدید اختلاف رکھتا ہوں بلکہ اسے ان کے استاذ اور مربی اور میرے نزدیک چودھویں صَدی ہجری کے مجددِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مجتہدانہ بصیرت کے بھی خلاف سمجھتا ہوں جو اُن کے ۱۹۲۰ء کے بعض خطبات سے ظاہر ہوتی ہے (اس موضوع پر مفصل بحث میری تالیف ''جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی'' میں موجود ہے!) —— تاہم اس اختلاف کے باوجود میں ہرگز نہ انہیں ہندوؤں کا زرخرید سمجھتا ہوں نہ مولانا ابوالکلام آزاد کو' بلکہ

دونوں کو اپنی رائے اور موقف میں مخلص سمجھتا ہوں اور اس پر اگر کوئی مجھے گردن زدنی قرار دے تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے!

۷) پروفیسر عرفانی صاحب نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۱ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۹ کے حوالے سے جو باتیں تحریر فرمائی ہیں وہ تو 'گستاخی معاف' ان کی ''سخن فہمی'' کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتیں' اس لئے کہ ان دونوں آیات میں صراحت کے ساتھ تذکرہ صرف یہود اور نصاریٰ کا ہے۔ گویا ان آیات کا مدلول اور مدّعا یہودیوں اور عیسائیوں کے حق میں تو ''نصِ قطعی'' کی حیثیت رکھتا ہے' جبکہ ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم اقوام کے ضمن میں ان کا اطلاق فرمانِ نبویؐ ((اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ)) سے استنباط کے ذریعے ثانوی درجہ میں ہوگا۔ لہٰذا ان آیاتِ مبارکہ سے تو میرے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ہمیں اب عالمی صہیونیت کے آلۂ کار امریکہ' اور اس کے خانہ ساز ادارے بلکہ خانہ زاد کنیز اقوامِ متحدہ سے صرفِ نظر کر کے مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک یعنی ایران' افغانستان' ترکستان' اور ان کے علاوہ بھارت اور چین کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے۔ رہا ان کا یہ فرمانا کہ: ''امریکہ پاکستان اور برصغیر سے کوسوں دور ہے لہٰذا وہ برصغیر پر مادی تسلط قائم نہیں کر سکتا!'' تو یہ ان کے موجودہ عالمی مالیاتی نظام اور اس کے اثر و نفوذ سے ناواقفیت نہیں تو ان تلخ حقائق کی جانب سے صرفِ نظر کا ضرور مظہر ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا میں اگرچہ فاصلے بھی بے معنی ہو گئے ہیں' تاہم کسی مادی تسلط یا عسکری قبضہ اور براہِ راست حکومت کے کھکھیڑ مول لینے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے' جبکہ ورلڈ بینک' اور آئی ایم ایف ایسے اداروں کے ذریعے پوری دنیا پر ریموٹ کنٹرول کی صورت میں بالواسطہ حکومت بھی کی جا سکتی ہے اور سودی معیشت اور قرضوں کے جال میں پھنسا کر دور بیٹھے اور عوامی غیظ و غضب سے کلی طور پر محفوظ رہتے ہوئے قوموں اور ملکوں کی خون پسینے کی کمائی کی بالائی بھی بآسانی حاصل کی جا سکتی ہے۔

۸) ''آخری' لیکن کمترین نہیں'' کی مصداق وضاحت یہ ہے کہ یہ مجھ پر بہت بڑا

بہتان ہے کہ میں پاکستان اور بھارت کے مابین سرحدوں کی دیوار کو گرانا چاہتا ہوں۔ میری تو پوری زندگی کی سعی و جہد کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کر کے اوّلاً خود اسے مستحکم کیا جائے اور پھر اس انقلاب کی مشرق و مغرب میں توسیع کے ذریعے خدا کی مخلوق کو انسانی ذہن کے تراشیدہ ظالمانہ اور استحصالی نظاموں سے نجات دلا کر ''ربُ الناس' الٰہ الناس اور ملکُ الناس'' کے عادلانہ اور منصفانہ نظامِ اجتماعی کی نعمت سے بہرہ ور کیا جائے۔ البتہ بھارت اور پاکستان کے مابین مخاصمت اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت میں کمی کی ہر کوشش میرے نزدیک نہ صرف اصولی اور اخلاقی اعتبار سے مستحسن ہے بلکہ مفکر و مصورِ پاکستان اور بانی و مؤسس پاکستان دونوں کے نظریات کے بھی عین مطابق ہے!

(۳)

پاک بھارت کشیدگی:
انگریز کی گھناؤنی سازش

انگریزوں نے برعظیم پاک و ہند کے بعض حصوں پر ایک سو برس سے کچھ زائد' اور بعض پر لگ بھگ دو سو برس تک حکومت کی اور عجیب اتفاق ہے کہ مقدم الذکر علاقہ کا جزو اعظم موجودہ پاکستان ہے' اور مؤخر الذکر کا اہم ترین حصہ مشرقی پاکستان تھا جو اَب بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ بہرحال اس عرصے کے دوران ہندوستان میں بسنے والوں کی چار پانچ سے لے کر آٹھ دس نسلوں تک انگریزوں کی غلامی میں گزریں۔ اب عمرانیات اور اجتماعی نفسیات کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی ملک پر کوئی بیرونی قوم اس طرح اور اتنے عرصے تک قابض و حاکم رہے تو طبعی طور پر محکوم قوم میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے' جو حصولِ آزادی کے وقت تو لازمی طور پر شدید ترین ہوتا ہے' خواہ بعد میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہو جائے۔ لیکن یہ ایک عجیب استثنائی معاملہ ہے کہ عین حصولِ آزادی اور تقسیمِ ہند کے وقت بھی انگریزوں کے خلاف نفرت نہ ہندوستان کے ہندوؤں میں تھی نہ مسلمانوں میں۔ بلکہ بڑے ملک یعنی بھارت نے تو آخری انگریز وائسرائے لاؤڈ بیٹن ہی کو اپنا پہلا گورنر جنرل بھی بنا لیا تھا اور یہی معاملہ پاکستان کا بھی ہو جاتا اگر قائداعظم ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش کو بلا جھجک رد نہ کر دیتے اور یہ بھی میرے نزدیک یقیناً اس خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی مشیت ہی کے تحت ہوا' جس کی شان یہ ہے کہ: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِیْ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الاحزاب: ۵۳) یعنی ''اللہ کو حق بات کے کہنے میں کوئی جھجک

نہیں ہوتی!'' ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس صورت میں پاکستان کا بستر ع ''اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے'' کے مصداق دراز ہوتے ہی تہہ ہو جاتا۔ مزید برآں یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ بعد میں بھی دونوں ملک طویل عرصے تک برطانیہ عظمٰی کے زیر سرپرستی دولت مشترکہ میں شامل رہے اور کافی عرصہ کے بعد ایک جذباتی مرحلے پر پاکستان نے اسے خیر باد کہا بھی تو بہت جلد اس پر اس کی جانب سے پچھتاوے کا اظہار ہوا۔

لہٰذا غور کرنا چاہئے کہ ع ''ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!'' کے مصداق اس کا سبب کیا ہے؟۔

اس ضمن میں جہاں تک عین آزادیٔ ہند اور تقسیمِ ملک کے وقت کا تعلق ہے اس میں تو ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ ع ''یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہوگئیں!'' کے مصداق دونوں قوموں میں نفرت و انتقام کے جملہ جذبات ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی کشت و خون کی صورت میں ڈھل کر تحلیل ہو گئے اور سابق حاکم یعنی انگریز محکوم ہندوستانیوں کے اس طبعی ردِّ عمل سے صاف بچ کر نکل گئے۔ البتہ اس ہندو مسلم منافرت اور بداعتمادی کے آغاز اور ارتقاء کے مختلف اسباب و عوامل اور ان کے مابین باہمی نسبت و تناسب کے بارے میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی اعتبار سے تو جملہ اسباب و عوامل غالباً متفق علیہ ہی ہوں گے' تاہم ان کے تجزیئے کے ذریعے یہ تعین کرنا کہ ان میں سے کون سا عامل سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا بہت گہری تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔

ہندو مسلم منافرت کے وہ ممکنہ متفق علیہ عوامل حسب ذیل ہیں:

۱) ہندوؤں کی عمومی تنگ نظری اور الگ تھلگ رہنے کا انداز' خصوصاً ان کا چھوت چھات کا نظام۔

۲) برہمن کا سامراجی مزاج اور ویش اور کھتریوں کی چاپلوسانہ عیاری اور سود خوری کی وہ عادت جس کی بنا پر بنجمن فرینکلین نے یہودیوں کو خون چوسنے والی چمگادڑوں

(vampires) سے تعبیر کیا تھا۔
۳) مسلمانوں کی ''ہزار سالہ'' غلامی کا طبعی ردعمل۔ اور ''آخری لیکن کمترین نہیں'' کے مصداق
۴) انگریزوں کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی حکمتِ عملی جو کنزرویٹو پارٹی کی تو یقیناً عادتِ ثانیہ تھی' البتہ لیبر پارٹی میں اتنی راسخ نہ تھی!——

بہرحال ان میں سے کون سا عامل اہم ترین اور مؤثر ترین تھا اور ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا حصہ کتنا تھا' اگرچہ اس سوال کے واضح اور حتمی جواب کو فی الحال مستقبل کے محققین اور مؤرخین کے حوالے کیا جا سکتا ہے' تاہم اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کم از کم برٹش راج کے آخری دور میں تو یقیناً آخری عامل ہی سب سے زیادہ مؤثر اور فیصلہ کن تھا۔

البتہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آزادی کے بعد بھی پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل دشمنی کی فضا اور ایک ایسی سرد جنگ کی کیفیت کیوں جاری رہی جس نے متعدد بار تو بالفعل آگ اور خون کی گرم بازاری کی صورت اختیار کی' اور ان کے علاوہ بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ دونوں ملک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے ان الفاظ کے مطابق کہ: ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ یعنی ''تم تو آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے!'' باضابطہ جنگ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے' یہ دوسری بات ہے کہ رحمتِ خداوندی نے اسی آیت کے اگلے الفاظ کہ: ﴿فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ یعنی ''تو اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی!'' کی سی شان کے ساتھ بچا لیا' چنانچہ آج کل پھر اس سرد جنگ کے گرم بھٹی کی صورت اختیار کرنے کا امکان بہت قریب آ گیا ہے' اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے حالات کے پیشِ نظر پاکستان کے بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی رہنماؤں سمیت بعض صحافی اور دانشور بھی بار بار افواجِ پاکستان کو للکار رہے ہیں کہ ''وہ اپنا فرض ادا کریں!'' تو اس سوال کا جواب اگرچہ بالکل نوشتۂ دیوار کے مانند واضح ہے' تاہم سرحد کے دونوں جانب طالع آزما سیاست دانوں نے

عوام کی جس نفسیاتی کیفیت کو پختہ کر دیا ہے اس کے باعث سب نے اس کی جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب جبکہ دونوں قوموں کی وہ نسل جو حصولِ آزادی کے بعد پیدا ہوئی' انسان کے ذہنی و نفسیاتی بلوغ کے سخت ترین قرآنی معیار یعنی چالیس سال کی عمر سے بھی آگے نکل چکی ہے (سورۃ الاحقاف: آیت ۱۵) دونوں جانب کے اصحابِ علم و فہم اور اربابِ دانش و بینش اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ پاک بھارت تعلقات کے ''بہتے دریا'' میں دونوں ملکوں کے عوام کے نصیب کی ''سیاہی'' ہی نہیں ان کے خون کی سرخی بھی کون گھول رہا ہے؟ اور آیا اس کے ازالے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں؟۔

بھارت کے عوام اور ہمارے مابین تو یقیناً گوناگوں نوعیت کے نفسیاتی حجابات پر مستزاد بہت سی مادی فصیلیں بھی حائل ہیں' جن کی بنا پر ہماری بات کا ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے' لہٰذا کیوں نہ اس سنجیدہ سوچ بچار کا آغاز ہم پاکستانی مسلمان کریں؟ اس لئے کہ ہمارے لئے تو یہ مسئلہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے دونوں سب سے بڑے علمبرداروں' یعنی مصور و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال اور معمار و مؤسس پاکستان قائداعظم محمد علی جناح' نے تقسیم کے بعد کے حالات کے ضمن میں جو خواب دیکھے تھے وہ اس صورت حال کے بالکل برعکس تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں قائداعظم نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کی تھی کہ ''بھارت اور پاکستان کے تعلقات ایسے ہی ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں''۔ لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خطبہ الٰہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں یہاں تک فرما دیا تھا کہ ''ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مسلم ریاست ہر نوع کی جارحیت کے مقابلے میں ہندوستان کے دفاع کا فریضہ بہترین طور پر سرانجام دے گی' خواہ وہ جارحیت نظریات کی ہو خواہ ہتھیاروں کی!'' چنانچہ غور طلب بات ہے کہ کیا ہمارے یہ دونوں مسلّمہ قائد' خاکم بدہن' بالکل بے بصیرت اور کودن تھے؟ کہ انہوں نے ہندو مسلم مفاہمت اور پاک بھارت تعاون کی جس سحر کی نوید سنائی تھی وہ نہ صرف یہ کہ فیض کے

ان اشعار کے مصداق ابھی تک طلوع نہیں ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی دور دور تک اس کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے ۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے دوست کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں!

اس گھمبیر سوال کا صاف وصریح اور حتمی وقطعی جواب صرف یہ ہے کہ نہ ہمارے قائد بے بصیرت تھے' نہ موجودہ صورتِ حال تقسیم کے فارمولے کا منطقی نتیجہ ہے' بلکہ اس پوری صورت حال کا واحد سبب مسئلہ کشمیر ہے جو انگریزوں کی عیاری' بدنیتی' خیانت اور بے ایمانی کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انگریزوں کو مسلمانانِ کشمیر کی ''قومِ نجیب و چرب دست وتر دماغ'' کے ساتھ کیا ازلی بغض اور خدائی بیر تھا کہ لگ بھگ سو سال پہلے تو انہوں نے اس پوری قوم کو ع ''قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند'' کے مطابق چند لاکھوں ٹکوں کے عوض ہندو ڈوگروں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اور پھر عین تقسیم کے وقت اولاً ایک انگریز یعنی ریڈکلف نے اپنے بدنامِ زمانہ ''اوارڈ'' کے ذریعے ریاست جموں وکشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی راہ ہموار کر دی جو نہ صرف یہ کہ تاریخی وجغرافیائی' اور مذہبی اور ثقافتی جملہ اعتبارات سے پاکستان کا جزوِ لاینفک اور بر خاص طور پر آبی وسائل کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے' اور جو اس بنیادی اصول کے مطابق جو تقسیمِ ہند کے لئے طے ہوا تھا' یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے تمام ''ملحق علاقے'' پاکستان میں شامل ہوں گے' قطعی طور پر پاکستان کا حصہ بنتی تھی اور بعد میں جب ریاست کے مسلمانوں نے بغاوت کی اور اس صریح بے انصافی اور بددیانتی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا' اور پاکستان کے عوام' اور بالخصوص قبائلی پٹھانوں نے ان کی مدد کی اور اس مسئلے کے آخری حل کے لئے پاکستان کی فوج کی بس ذرا سی امداد کی کسر رہ گئی تھی' تو ایک دوسرے انگریز یعنی افواجِ پاکستان کے کمانڈر

انچیف جنرل گریسی نے قائداعظم کی خواہش بلکہ حکم کے علی الرغم آڑے آ کر اس حق تلفی کے فوری ازالے کا راستہ مسدود کر دیا۔ چنانچہ معاملہ یو این او کے سپرد ہوا اور پینتالیس برس سے اس کی فائلوں میں دفن پڑا ہے۔

وہ دن اور آج کا دن بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اور عوام اپنے سابقہ غیر ملکی حکمرانوں کے اس کردار کا مزہ چکھ رہے ہیں جو سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۴ اور ۲۰۵ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۞ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۞﴾

''بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حیات و معاملاتِ دنیوی میں ان کی (چکنی چپڑی) باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیتوں پر خدا کو گواہ بھی بناتے رہتے ہیں، حالانکہ وہ بدترین دشمن ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ پیٹھ پھیرتے ہیں (ذرا نوٹ فرمائیں یہ الفاظِ مبارکہ انگریزوں کی ہندوستان سے واپسی پر کس قدر عمدگی کے ساتھ چسپاں ہو رہے ہیں) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی کرتے ہیں تاکہ (اس کے ذریعے) زمین کی کھیتی اور انسانوں کی نسل کو ہلاک کر دیں!''۔

چنانچہ اس عرصے کے دوران بھارت اور پاکستان کے مابین کئی خونریز جنگیں بھی ہو چکی ہیں جن میں ہزاروں انسان ہلاک اور معذور ہوئے، لاتعداد عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے اور ارب ہا ارب روپے کے مالی نقصان دونوں ملکوں کو ہوئے۔ مزید برآں عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ بجائے عوامی بہبود اور تعلیم و ترقی کے مسلسل بڑی بڑی فوجوں کو ''کھڑی'' رکھنے اور مہلک اسلحہ کی خرید میں صرف ہوتا رہا۔ پھر ان کی باہمی چپقلش سے وقت کی دونوں سپر پاورز نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اگر پاکستان نے اپنے ''بچاؤ'' کے لئے امریکہ کی ''پناہ'' حاصل کی تو بھارت نے روس کا دامن تھاما، اور اس طرح دونوں ملک ان کی سرد جنگ میں ملوث ہو گئے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ سرد

جنگ کے اصل فریقوں یعنی روس اور امریکہ کے مابین تو یہ جنگ ہمیشہ ''سرد'' ہی رہی' جبکہ بھارت اور پاکستان کے مابین اس کی بھٹی بار بار دہکتی رہی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ''جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے'' کا مظہرِ اتم یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران بھی انگریز دونوں ملکوں کے نہ صرف مشترک دوست بلکہ مربی و سرپرست' اور ناصح و ثالث بالخیر بنے رہے اور آج بھی میر تقی میر کے اس بدنامِ زمانہ شعر کے مصداق کہ۔

میر کیا سادہ ہیں' بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے ''لڑکے'' سے دوا لیتے ہیں!

کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے ہمارے یہاں اکثر و بیشتر دہائی دی جاتی ہے انگریز کے سرپرست امریکہ کی' اور حوالہ دیا جاتا ہے اس کے خانہ ساز ادارے یو این او کی قراردادوں کا۔

بہر حال اس ذہنیت اور طرزِ فکر پر تو ''بایں عقل و دانش بباید گریست!'' کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے' لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا ہمیں واقعات و حوادث کے اس دریا میں جس کا رخ ہماری سادہ لوحی پر مبنی خوش اعتقادی اور حسن ظن اور اغیار کی دشمنی اور عیاری کے باعث ایک خاص سمت میں موڑ دیا گیا تھا چار و ناچار بہتے ہی چلے جانا ہے' خواہ اس کے نتائج کتنے ہی مضر اور ہولناک ہوں' یا ہمت سے کام لے کر اس کے رخ کو بدلنے کی کوشش کرنی ہے!

(۴)

پاک بھارت مفاہمت
اور
مسئلۂ کشمیر کا حل

ہندو مسلم منافرت اور پاک بھارت مخاصمت کے قدیم اور تاریخی اسباب کو بالکل ختم کر دینا تو ظاہر ہے کہ اب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ ''گیا وقت'' تو منفی اور مثبت دونوں کہاوتوں کے اعتبار سے ہماری دسترس سے باہر ہے۔ یعنی ع ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!'' اور ''میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں!'' لہٰذا پاک بھارت مفاہمت کی کسی بھی کوشش میں ہر اعتبار سے اوّلیت اور اہمیت موجودہ مسائل ہی کو دینی ہوگی جن میں سرفہرست مسئلۂ کشمیر ہے۔

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماضی سے متعلق بعض مزعومہ مسلّمات پر بھی کسی قدر تنقیدی نگاہ ڈال لی جائے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ آمیزی کتنی۔ اس لئے کہ اس سے مفاہمت کے لئے ذہنی تیاری میں مدد مل سکتی ہے۔

برہمن اور بنئے کے بارے میں ہمارے یہاں جو تصورات پتھر کی لکیر کی مانند پختہ ہو گئے ہیں انہیں ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو'' کے مصداق اگر کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے یعنی یہ کہ برہمن کا عمومی مزاج سامراجی ہے اور وہ یہودیوں کی مانند اپنے آپ کو ایک بالاتر اور برتر مخلوق گردانتا ہے اور بنئے کی ذہنیت بھی بالعموم یہودیوں ہی کی ایک دوسری صفت یعنی سود خوری اور اس سے پیدا شدہ چاپلوسانہ عیاری کے کردار کا

عکس ہے جس کی بہترین تعبیر ''منہ میں رام رام بغل میں چھری'' کے الفاظ سے ہوتی ہے' تب بھی ایک جانب تو یہ اٹل اصول ناقابلِ تردید ہے کہ۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!

گویا نہ سب برہمن ایک ہی مزاج کے حامل ہیں نہ تمام بنئے ایک ہی سی سرشت رکھتے ہیں۔ (خاص طور پر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کی صورت میں جو ''برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز'' عطا فرمایا اس کی مثال بہت ہی نمایاں ہے!) اور دوسری جانب ہندو معاشرے میں کھشتری اور راجپوت بھی تو ہیں جن کی غیرت و حمیت' شرافت و مروت اور وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی ضرب المثل ہے اور پھر سب سے بڑھ کر وہ پسماندہ قومیں بھی تو ہیں جو خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ستم رسیدہ ہیں اور اگرچہ ماضی میں تو وہ ''بابندگی خو گرفتہ'' اور ع ''ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے!'' کی مصداقِ کامل بنی ہوئی تھیں لیکن اب ہندوستانی معاشرے میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ شمالی ہند کی یو پی اور بہار جیسی کٹر ہندو ریاستوں میں ان ہی میں سے بعض یعنی ''یادیو'' وزارتِ علیا پر بھی فائز ہو گئے۔ پھر تعداد میں بھی وہ بقیہ تینوں طبقات سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں!

اس ضمن میں لکھنؤ (یو پی' بھارت) سے شائع ہونے والے قدیم اور مؤقر دینی و علمی ماہنامے ''الفرقان'' کی ایک حالیہ اشاعت کے اداریہ کے حسب ذیل اقتباسات بہت اہم ہیں:

> ''ایک غلطی بہت مدت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں سے ہو رہی ہے اور اس کے بہت سخت نقصانات ہم اٹھاتے چلے آ رہے ہیں —— وہ غلطی یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں بسنے والے اکثریتی فرقہ کو ایک ''قوم'' سمجھتے ہیں' حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے —— اس غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہ رہا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہم اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری سے نکل نہیں پا رہے ہیں' جو ایمانی کمزوری کے علاوہ اپنی اور اس ''قوم'' کی تعداد اور سیاسی اور معاشی پوزیشن

کے مابین زبردست فرق کو دیکھ کر ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے —— واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی سماج وحدت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتا —— اس کو ایک متحدہ مذہبی تشخص عطا کرنے اور ان سب کو ایک گروہ بنا دینے اور اسے اکثریت کی خلعتِ فاخرہ پہنا دینے کی سازش اصل میں انگریزوں اور برہمنوں کے اشتراکِ عمل کے نتیجے میں، اور ہماری سادہ لوحی اور یہاں کے سماجی و مذہبی نظام سے براہِ راست ناواقفیت کی وجہ سے کامیاب ہوئی ہے۔ لیکن اب صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ملک کے مظلوم طبقات ذِلت و غلامی کے طوق سے اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی ڈھانچہ کو بدلنے اور برہمنی جبر و استبداد سے نکلنے کی آواز پہلی بار لگی ہے، پہلے بھی یہ کوشش ہوتی رہی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ اب جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور شاید اب یہ بات آگے ہی بڑھتی جائے گی''۔

پھر ہمارے لئے تو سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بھارت میں صرف ہندو ہی آباد نہیں ہیں، مسلمان بھی ہیں اور اگر بھارتی مسلمانوں کی عام رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ بھارت کو دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک قرار دیا جا سکتا ہے۔ (عام سرکاری اعداد و شمار کی رو سے بھی دنیا بھر میں صرف ایک انڈونیشیا ایسا ملک ہے جو بھارت سے زیادہ تعداد میں مسلمان آبادی کا دعویٰ کر سکتا ہے) اور انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کے دوران بعض حکمرانوں اور مقتدر اشخاص کی ذاتی حرص و آز یا بوالہوسی کی بنا پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے انفرادی واقعات، اور ان کے ضمن میں بھی حقیقت اور افسانہ کے تناسب کی تحقیق سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد یا تصادم کی تاریخ موجود نہیں ہے بلکہ صورت حال وہ رہی ہے جس کا نقشہ اسی ''برہمن زادہ'' نے ان الفاظ میں کھینچا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ۔

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

تو کیا یہ مسئلہ واقعتاً غور طلب نہیں ہے کہ - ''کون'' معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں؟ اس مقام پر اس بات کا حوالہ بھی یقیناً دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بھارت کے ایک ہریجن لیڈر پالانی بابا نے اپنے ایک کتابچے میں جو ۱۴ا۔عزیز' ملک اسٹریٹ نمبر ۵ مدراس' تامل ناڈو سے شائع ہوا ہے' ہندوؤں کے سرکردہ رہنما پوری شنکر آچاریہ کے اس قول کے حوالے سے کہ ''اچھوت ہندو نہیں ہیں!'' یہ دعویٰ کیا ہے کہ بھارت میں ''ہندو' اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں' اس لئے کہ بقول ان کے ''بھارت کی کل آبادی کے ۲۵ فیصد اچھوت ہیں' ۲۰ فیصد مسلمان ہیں' ۳ فیصد عیسائی ہیں' ۲ فیصد سکھ ہیں اعشاریہ سات فیصد بدھ مت کے پیروکار ہیں اور اس طرح بھارت کی غیر ہندو آبادی کل آبادی کا لگ بھگ ۵۱ فیصد بن جاتی ہے''۔

مزید برآں' اس ضمن میں بھی بعض حقائق ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان دونوں قوموں کے مابین تلخی کا زہر گھولنے کا سب سے مؤثر کام بھی بعض انگریز محققین اور مؤرخین ہی نے سرانجام دیا۔ جس کی سب سے نمایاں مثال ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہے' اس لئے کہ اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ یہ مسجد رام جنم استھان پر بنی ہوئی ہے ایک انگریز ہی کی جانب منسوب ہے۔ اور پھر ایک دوسرے انگریز یعنی سول جج نے بجائے مسئلے کو حل کرنے کے مسجد پر تالا ڈال کر اور مقدمے کو طول دے کر پورے معاملے کو ایک ٹائم بم بنا کر رکھ دیا جو لگ بھگ سو برس بعد شدید ترین دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اور ہندو مسلم کشیدگی میں ایک نئے باب کے اضافے کا ذریعہ بن گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہر حال ان جملہ حقائق کے علی الرغم یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہِ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر

کے حل کے لئے ہمارے پاس کون کون سے آپشن موجود ہیں' اور وہ کس کس حد تک قابلِ عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی؟

سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالاتِ موجودہ کوئی قابلِ عمل حل ہے؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت ۱۹۶۵ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے؟ پھر اگر اس وقت کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تو آج اس کی کتنی اُمید کی جا سکتی ہے؟

مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی ننگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کھلم کھلا اعلانِ جنگ صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۰ کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ: ﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ﴾ یعنی ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا!'' اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں' لہٰذا فرمانِ نبویؐ: ((فَاَنّٰی یُسۡتَجَابُ لِذٰلِکَ؟)) یعنی ''ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟'' کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہو سکتی ہے! بنا بریں لے دے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب و وسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے' جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ: ﴿کُلًّا نُّمِدُّ ھٰۤؤُلَآءِ وَھٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۰) یعنی ''ہم یہ اور وہ (یعنی طالبانِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں!'' کہ اس نے ہمیں اوّلاً ۱۹۷۱ء میں سابق صدر امریکہ' آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اس وقت اندرا گاندھی نے ''پرو پاکستان ٹِلٹ'' سے

تعبیر کیا تھا' اس سے روسی وزیر اعظم کوسی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوایا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے ''یک طرفہ جنگ بندی'' کا اعلان کیا' جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے ﴿مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴾ یعنی مزید مہلتِ عمل مل گئی۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا مظہر ہے کہ بعد میں اس نے ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈیٹرنٹ عطا فرما دیا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے ﴿فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (''پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو!'' الاعراف:۱۲۹) والے امتحان کی مہلت اور مدت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جس پر ہمیں سورۃ الانفطار کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ﴾ یعنی ''اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافاتِ عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا؟'' کے مصداق ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ سورۂ اعراف کی آیت ۳۴ اور سورۂ یونس کی آیت ۴۹ میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہو سکتی ہے۔ اور پھر جب یہ اچانک ختم ہو جائے گی تو اس میں مزید توسیع و تاخیر کسی طرح ممکن نہ ہو گی' بموجب ائے: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (الاعراف:۳۴) یعنی ''پھر جب ان کی وہ معینہ گھڑی آ جائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہی کھسک سکیں گے!''

مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف ''ڈٹرنٹ'' ہی ہے یعنی صرف بھارتی جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے اعتبار سے یہ بھی جنگ کے ''آپشن'' کی نفی کے مترادف ہے!

رہا مسلمانانِ کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثالِ جہادِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی

امداد کے بغیر آخر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے اور وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر' امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی بہت سے حلقوں' بالخصوص مذہبی گروہوں کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اولاً جہاد افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپر پاور کی کھلم کھلا' اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے!) لہٰذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حوالہ قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورۂ نساء کی آیت ۷۵ کا حوالہ بھی بہت شدّ و مد کے ساتھ دیا جاتا ہے' یعنی

﴿وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾

''(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور و مجبور مردوں' عورتوں اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار پیدا فرما!''

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنی ذات اور دائرۂ اختیار اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دینِ حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم' اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام و کمال نافذ کر دیا تھا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تا حال ہم کتاب و سنت کی کامل بالادستی کا قولِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی' اور اس دور میں ادا نہیں کر سکے جبکہ ہمارے ملک میں اس نام نہاد ''اسلامی جمہوری اتحاد'' کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں

اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں بآسانی مطلوبہ ترمیم کی جاسکتی تھی۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیدا کردہ شدید مہنگائی‘ افراطِ زر اور بے کاری کی آگ میں جل رہی ہے‘ اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش‘ اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور اربوں کے غبن اور خرد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچا دیا ہے۔

ان حالات میں سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے ’’جہادِ کشمیر‘‘ کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہو سکتا ہے‘ یا اولاً اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت کے بالفعل نفاذ اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظامِ عدل وقسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیڑ مول لئے بغیر ؏ ’’کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!‘‘ کے مصداق ’’جہاد وقتال فی سبیل اللہ‘‘ کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا ’’حسین فریب‘‘ کھانے کا شوق ہوسکتا ہے...... ورنہ ؏ ’’پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی!‘‘ کے مصداق کہاں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کے مخاطب اصحابِ رسول (ﷺ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستانی مسلمان! ؏ ’’چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!‘‘

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر پر استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبارہ یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں‘ جیسے حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیئے کے حل کے لئے بظاہر بالکل ''صراطِ مستقیم'' اور ''سواء السبیل'' کے مصداق نظر آتا ہے' لیکن اب سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل تھا اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدِ راہ تھی' لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجہیز و تکفین کے بعد بظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے' لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں' لیکن نئی عالمی صورتِ حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مہلک اور خطرناک بن گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ' جیسے کہ ع ''جانتا ہے جس پر روشن باطنِ ایام ہے!'' کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے' اب امریکہ کو ''سول سپریم پاور آن ارتھ'' یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لئے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے قیام کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے' جس کے لئے یو این او اس کے خانہ ساز بلکہ ''خانہ زاد'' ادارے کی حیثیت سے آلۂ کار کا کام کر رہا ہے۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سد راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے' البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے' اور سودے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی' پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سد راہ ہے' اور حکومت کی سطح پر فنڈا منٹلسٹ ہونے کے ناتے ایران بھی۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے ''توجہ طلب'' ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی' لہٰذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں ''پولیس مین'' کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے ''اسرائیل'' کی شدید ضرورت ہے![1]

---

(۱) دوبارہ ذہن میں تازہ کر لیں کہ یہ تحریر ۱۹۹۶ء کی ہے۔

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آ سکتا ہے کہ ؎

الٰہی خیر میرے آشیاں کی

زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!

کے مصداق چچا سام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے ''واگزار'' کرا کے یا تو ایسی ''آزادی'' عطا کر دی جائے جو ؎

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

کی مصداقِ کامل ہو۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے ''میر'' یو این او کی ''زلفوں کا اسیر'' بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی ایشیا کے عین قلب میں ایک دوسرا ''اسرائیل'' قائم کر دیا جائے' جہاں سے بیک وقت چین' بھارت' پاکستان' افغانستان' ایران اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جا سکے۔

کشمیر کے بارے میں امریکہ کے یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل کے بیان دہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں۔ جس کے مطابق امریکہ کے ''خود مختار کشمیر'' کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے علاوہ لداخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں اور یہ کہ ''اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ایک خصوصی ٹیم جو ماہرین پر مشتمل ہے بھارت بھجوا دی ہے!'' چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان ''ماہرین'' کا یہ کارنامہ بھی منصۂ شہود پر آ چکا ہے کہ ''آل پارٹیز حریت کانفرنس'' کے نام سے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں ''آزاد و خود مختار کشمیر'' کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کر لیا ہے! مزید برآں' ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں ۳۲ دن

محصور رہنے والے کشمیری لیڈر اور حریت پسند تنظیم ''آپریشن بالاکوٹ'' کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے تیکھے انداز سے بھی بخوبی ہوسکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۱ مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ''کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خودمختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے' اور ''پاکستان اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے!'' وقس علی ذلك! جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صفی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے انداز سے کہنا پڑا کہ ''کشمیری مجاہدین کی تنظیموں میں بھارتی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں!'' بہر حال ع ''قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا!'' کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس صورتِ حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے اس دوسرے اور بظاہر سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے۔ ورنہ استصوابِ رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیروں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کلی طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کا روایتی کردار بآسانی کر سکے گا جس نے دو بلیوں کے مابین روٹی کی ''منصفانہ تقسیم'' کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کر لی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئی تھیں!

گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہو گا جو بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ ''آزاد و خودمختار کشمیر'' کا تھرڈ آپشن نہیں' بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت براہ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو! جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے' لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کا موروثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سدِ راہ ہے۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن

پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران سرحد کے دونوں جانب کے عوام کی راسخ ہو جانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنا دیتی ہیں! جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دوطرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفاصیل طے ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آ پاتی!

کاش کہ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام و خواص سب کو اس صورتِ حال کا صحیح صحیح اندازہ ہو جائے اور یہ دونوں ملک سو سالہ ہندو مسلم منافرت اور سینتالیس سالہ پاک بھارت مخاصمت کی ''دیوارِ برلن'' میں کوئی فیصلہ کن شگاف ڈالنے کا انقلابی قدم اٹھا سکیں۔

ضمیمہ

مسئلہ کشمیر............ایک قابل عمل فارمولا

اقتباس از پریس کانفرنس ۲۵ را کتوبر ۱۹۹۵ء

کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ:

(i) اسے امریکہ یا **UNO** کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کردی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں ''سلام'' کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پاندان اٹھا لے جانے کی درخواست کی جائے۔

(ii) اس کا حل شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دوطرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از جلد کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر کرلیا جائے۔ اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے۔

(iii) اسے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:

ا) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کرلیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔

ب) اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنا لے اور

ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرالیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کو داخلی خودمختاری تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے......اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک!

اقتباس از خطاب جمعہ مورخہ ۴ فروری ۲۰۰۰ء

حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے، مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لداخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے۔ البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ غلط ہے۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔

اگرچہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان، ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے، لیکن اللہ کا کرم ہوا اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنادی ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دے دیا جائے۔ تاہم مناسب ہوگا کہ اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے۔

دراصل بھارت کی کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنے عوام کے جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکے لہٰذا یہ معاملہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجودہ تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ ویسے بھی بھارت نے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع میں رہتے ہوئے اس مسئلے سے لمبے عرصے تک نبرد آزما رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ ہماری اقتصادی بدحالی کی ایک اہم وجہ مسئلہ کشمیر بھی ہے جس کے باعث ہم بھارت کے ساتھ کم و بیش ہر وقت ایک سرد جنگ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو سکے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام اور حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔

اقتباس از بیان پریس کانفرنس ۱۰ر جولائی ۲۰۰۱ء

میری عرصۂ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ......

(۱) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے......!

(۲) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک کہ بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے اسی طرح کشمیر کے اس پورے مسلم اکثریت کے علاقے کو جو پاکستان کے ساتھ ملحق ہے' پاکستان کے حوالے کیا جائے اور غیر مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں' بھارت میں ضم کر دیا جائے۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو' بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے......

(۳) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (Reconcile) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا قابل قبول اور قابل عمل حل یہ ہے کہ (i) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے۔ (ii) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور (iii) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرا لیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خود مختاری کا آپشن بھی شامل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے' اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ آزاد کشمیر کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہیئے کہ داخلی طور پر کامل آزادی کے ساتھ ساتھ دفاع اور خارجہ اُمور کے ضمن میں وہاں بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہوگا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے!...... مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمدورفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمدورفت رکھ سکیں۔

میری تجویز کے اس آخری حصے کے ضمن میں بھارت کے سید شہاب الدین صاحب نے انڈورا کی مثال پیش کی ہے جو سپین اور فرانس کے درمیان سلسلہ کوہ پائرینیز کے دامن میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں صدہا برس سے فرانس اور سپین کے نمائندگان کی مشترکہ نگرانی میں آزاد حکومت قائم ہے۔

امیر تنظیم اسلامی کے نام بھارت کے معروف سیاسی رہنما سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا عکس

Syed Shahabuddin
IFS (Retd.) Ex-MP

Advocate Supreme Court of India
Editor, Muslim India Monthly

Residence : Flat 404, Block-8
East End Apts, ~~Mayur Vihar-I Ext.~~
Delhi-110096

Office : Behind 29, Feroze Shah Road
New Delhi-110001

Tel/Fax : 378 2069, Resi. : 271 1354

17 February, 2000

My dear Dr. Asrar Ahmad Saheb,

In the latest issue of your journal, I have seen the solution to the Kashmir problem suggested by you. I am glad that this comes very close to what I have been suggesting since beginning.

My approach is based on the fact that the State is multi-ethnic and historically an artificial construct. Northern Areas and the south western region below the Pir Panjal which are Punjabi-speaking should be incorporated in Pakistan. Ladakh and Jammu should be integrated in India. The Valley of Kashmir which is a geographical, linguistic and cultural entity should enjoy, like Andorra on the border of Spain and France, complete internal autonomy, **under the joint umbrella of India and Pakistan,** which should together underwrite its development and be responsible for its defence and foreign relations

Kashmiris should have access to both India and Pakistan for education, trade and even residence while neither Indians nor Pakisantanis have the right to settle in the Valley.

In my view, this is the only feasible solution which serves the interests of all partners – India, Pakistan and the Kashmiris.

With kind regards,

Yours sincerely,

(SYED SHAHABUDDIN)

''اینڈورا''—— جس پر سپین اور فرانس کی مشترکہ حکمرانی ہے

اینڈورا (Andorra) یورپ میں ایک چھوٹا سا پہاڑی علاقہ ہے جس کے جنوب مغرب میں سپین اور شمال مشرق میں فرانس ہے۔ اس علاقہ پر ان دونوں ممالک کی مشترکہ حکمرانی ہے۔ صدر مقام انڈورا لاویلا (Andorra La Vella) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے Charlemagne نے ۸۰۳ء میں مسلمانوں سے آزاد کرایا اور اس کے بیٹے لوئس اول نے یہاں کے باشندوں کو پروانۂ آزادی دیا تھا۔ بعد میں فرانسیسی اور ہسپانوی شہزادوں کے مابین حق ملکیت کے تنازعہ پر تیرہویں صدی عیسوی سے یہ علاقہ دو مالکوں کا باج گزار چلا آ رہا تھا۔ یورپ میں جاگیردارانہ نظام حکومت کی یہ آخری نشانی ۱۹۹۳ء تک قائم رہی، جس کے بعد ایک آئین کے ذریعہ دہرے مالکان کے اختیارات بہت حد تک کم کر کے وہاں کے عوام پر مشتمل انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔
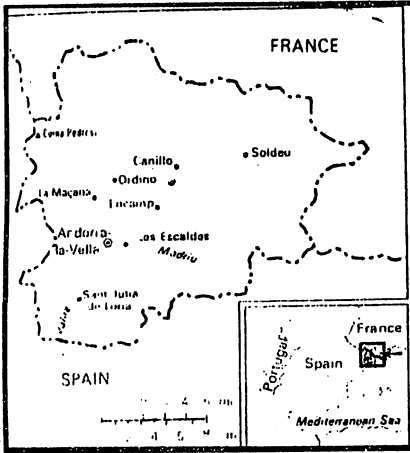
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے ماخوذ)

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاهور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان —— اور —— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے —— اور —— اعلیٰ علمی سطح

پر **تشہیر و اشاعت** ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ